Urdu Scholars Ki Duniya- International Refereed Journal for URDU- ISSN: 2320-5369, EISSN: 2320-8910

IF: Global Impact Factor: 0.383

حسرتؔ کی صحافت

ڈاکٹر آفاق انجم شیخ

نوتن مراٹھا کالج، جلگاؤں۔ مہاراشٹر۔ انڈیا

حالات وکوائف سے واقفیت یا احوال زمانہ سے باخبر رہنا انسان کی فطرتِ ثانیہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خبروں کو ہر دور میں اہمیت حاصل رہی ہے۔ گوکہ اس کی صورتیں اور ذرائع مختلف رہے۔ پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرانک میڈیا خبروں کی تدوین وترسیل ہر زمانہ میں باقاعدگی سے ہوتی رہی ہے۔ زمانہ قدیم ہی سے خبروں کی ترسیل کا ذریعہ اخبارات رہے ہیں۔

پروفیسر محمد شاہد حسین مہیمنہ خاتون کے تحریر کردہ مقالہ ''دہلی میں ادبی صحافت کی تاریخ اور ایوانِ اُردو'' کے مقدمہ میں پرنٹ میڈیا کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

''عہدِ حاضر میں تحریری صحافت کا مقابلہ برقی صحافت سے ہے۔ ریڈیو کی ابتداء ہوئی تو لوگوں نے سمجھا کہ اب اخبارات کے دن ختم ہو گئے۔ اخبارات زیادہ سے زیادہ دن میں دو یا تین بار چھپ جائیں گے لیکن ریڈیو یا ٹیلی ویژن سے تو چوبیس گھنٹے خبریں نشر کی جاسکیں گی۔ مزید یہ کہ اس میں خواندگی کی شرط ختم ہوگئی، اب اخبار فروخت ہوں تو کس لیے، لیکن یہ خیال درست نہیں نکلا کیونکہ تحریر کا اپنا ایک مقام ہے۔ یہ بولے جانے والے الفاظ کی طرح ہوا میں گُم نہیں ہوجاتی۔ اسے حوالے کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے، دستاویز کے طور پر محفوظ کیا جاسکتا ہے۔ اس سے آنے والی نسلیں استفادہ کرسکتی ہیں اور اخبار کے ذریعہ لکھنے پڑھنے کی صلاحیت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔''

اخبارات سے وابستہ پیشہ صحافت کہلاتا ہے۔ صحافت نہ صرف عوام کی ذہن سازی کرتی ہے بلکہ سیاسی، سماجی اور ثقافتی شعور کی بیداری میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اگر چہ صحافت ہمارے دستور کا چوتھا ستون ہے اور اس کی توقیر سے انکار بھی نہیں مگر یہ ستون گردشِ ایاّم کی سرپھری آندھیوں سے کبھی متزلزل ہوجاتا ہے۔ کبھی اربابِ اقتدار کی سخاوت اس کے لبوں پر نقرئی وطلائی زنجیریں ڈال دیتی ہیں۔ یہیں سے زرد صحافت کی کونپلیں سر اُٹھانے لگتی ہیں اور پھر حق گوئی کا جوہر باقی رہتا ہے اور نہ بیباکی کا عنصر۔ صحافی کسی قوم اور معاشرے کی تعمیر وتخریب دونوں کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ ایسا صحافی جو معاشرے میں بدی کا آلۂ کار بنتا ہے اپنے قلم سے ظالم وجابر اور بے ایمان افراد کی پشت پناہی اور ان کی سیاہ کاریوں کی حمایت کرتا ہے وہ نہ صرف زرد صحافت کا آلہ کار ہوتا ہے بلکہ صحافت کے چہرے پہ ایک بدنما داغ ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے جو صحافی اپنے قلم سے حقائق کی تصویر کشی کرتا ہے معاشرے کے رِستے ہوئے ناسوروں پر اپنے قلم کے نشتر چلاتا ہے، معاشرتی بگاڑ کے خلاف غیر جانبداری اور بیباکی سے اپنے قلم کا استعمال کرتا ہے۔ معاشرے میں پھیلی برائیوں کی بیخ کنی کرتا ہے اور اصلاح معاشرہ کے لیے اپنے قلم کی روشنائی صرف کرتا ہے۔ وہ نہ صرف معاشرہ کا مصلح اور خیر خواہ ہوتا ہے بلکہ قوم کا بیش قیمت سرمایہ ہوتا ہے۔

اردو صحافت کو وقار بخشنے میں جن حضرات نے بطورِ روشنائی اپنا خونِ جگر پیش کیا، ان میں مولوی محمد باقر، مولانا ظفر علی خان، راجا رام موہن رائے، کاظم علی، مولانا ابوالکلام آزادؔ، مولانا محمد علی جوہر، خواجہ حسن نظامی، مولانا حسرتؔ موہانی وغیرہ کی خدمات آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ مولانا حسرتؔ موہانی اردو ادب کا ایک مؤقر نام ہے۔ حسرتؔ کی شخصیت ہمہ جہت صفات کی حامل ہے۔ آپ بیک وقت ادب، صحافت اور سیاست جیسے شعبوں سے وابستہ رہے۔ فنِ تقریر میں حسرتؔ کو مہارت حاصل تھی۔ شعر وسُخن میں رنگِ تغزل آپ کی شاعری کا طرّۂ امتیاز رہا۔ وطن کی آزادی کے جذبے نے حسرتؔ موہانی کو میدانِ سیاست کا

Scanned by CamScanner

شہسوار بنایا۔صحافت کو آپ نے ایک مِشن کے طور پر اپنایا اور اُردو صحافت کا ایک نئے مزاجِ حُریت سے آشنا کیا۔

حسرتؔ کا پورا نام سید فضل الحسن اور تخلص حسرتؔ تھا۔والد کا نام سید اظہر حسین تھا۔حسرتؔ قصبہ موہان، ضلع اُناؤ، یوپی کے سادات خاندان میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت کے تعلق سے محققین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اثر بن یحییٰ انصاری نے اپنی تصنیف ''حسرتؔ موہانی۔ایک سیاسی ڈائری'' میں حسرتؔ کا سالِ ولادت ۱۸۷۵ء درج کیا ہے۔مہتاب پیکر اعظمی نے اپنے مضمون ''جنگِ آزادی میں مسلمانوں کی ناقابل فراموش قربانیاں'' مطبوعہ ماہنامہ تہذیبُ الاخلاق۔جنوری ۲۰۰۲ء میں حسرتؔ کا سن ولادت ۱۸۷۸ء تحریر کیا ہے۔ایم۔حبیب خان اپنی تصنیف ''ہندوستانی ادب کے معمار۔حسرتؔ موہانی'' میں حسرتؔ کا سن پیدائش ۱۸۸۱ء لکھتے ہیں۔''حسرتؔ کی شاعری'' اس کتاب میں آپ کا سن ولادت ۱۸۷۶ء درج ہے لیکن اثر بن یحییٰ انصاری کی تصنیف ''حسرتؔ موہانی ایک سیاسی ڈائری'' کی تاریخی و تحقیقی حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے اور چونکہ اثر انصاری حسرتؔ موہانی کے ہم عصر بھی تھے اور جد و جہد آزادی میں حصہ بھی لے چکے تھے اس لیے اُن کے قول کو ترجیح دی جاسکتی ہے۔

حسرتؔ موہانی نے اُردو غزل کی بیش بہا خدمات انجام دی ہیں۔تغزل اُن کے کلام کا وصفِ خاص تھا۔یہی وجہ ہے کہ اربابِ علم و ادب کے ذریعے آپ ''امام المتغزلین'' کے معزز لقب سے نوازے گئے۔آپ شعر گوئی میں اپنا مخصوص لب و لہجہ رکھتے تھے۔حسرؔت کے پاس شعر و سخن کے لیے درکار لطیف جذبات بھی تھے اور اُن کے سینے میں جنگِ آزادی کی آگ میں جھلس جانے کے لیے تیار آہنی قلب بھی تھا۔وہ دیوانہ وار جد و جہد و آزادی میں کود پڑے تھے۔اُن کی اِسی شجاعتِ ذی ہشم اور عزمِ مُصمم کی وجہ سے وہ پورے مُلک میں ''رئیس الاحرار'' کے پُرہیبت لقب سے جانے جاتے تھے۔یہ حسرؔت ہی کی انفرادی شخصیت تھی جو بیک وقت لطیف جذبات کے ترجمان ''امام المتغزلین'' اور آہنی حوصلہ رکھنے والے ''رئیس الاحرار'' کے القابات سے نوازی گئی۔

حسرؔت موہانی امتحان پاس کرنے سے پہلے ہی سیاست اور وطنِ آزادی کے اس قدر دلدادہ ہوچکے تھے کہ تین مرتبہ حریت کا نعرہ بلند کرنے پر ایم۔اے۔او کالج علی گڑھ سے نکالے گئے تھے۔لیکن جو لَو اُن کے دِل میں فروزاں ہوچکی تھی وہ سرد پڑنے کی بجائے روز بروز تیز تر ہوتی گئی۔امتحان دیتے ہی نتیجہ کا انتظار کئے بغیر حسرؔت نے علی گڑھ میں ''اُردوئے معلّیٰ'' کا ڈکلیریشن داخل کردیا اور اِس کا پہلا شمارہ جولائی ۱۹۰۳ء میں چھپ کر نکل گیا۔بی۔اے۔کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد اچھی اور باعزت ملازمت اور پروفیسری کا دعوت نامہ مِلا مگر حسرؔت ارادہ کرچکے تھے کہ وہ صحافت و سیاست نہ چھوڑیں گے۔ آپ بطور مدیرِ اُردوئے معلّیٰ کالج سے فارغ ہوئے اور شہر علی گڑھ میں آباد ہوگئے۔اِس مِشن میں اُن کے اساتذہ پروفیسر چکرورتی، ڈاکٹر ضیاالدین، صاحبزادہ آفتاب احمد خان، سیّد سجاد یلدرم، مولانا شوکت علی، جناب بہادر سید ابومحمد وغیرہ کے خلوص و ہمدردی نے بھی اہم رول ادا کیا۔اِس سے قبل حسرؔت ''مخزن'' نامی اخبار نکالتے تھے۔جولائی ۱۹۱۴ء سے حسرؔت نے ''تذکرۃ الشعرا'' نامی سہ ماہی رسالہ بھی جاری کیا۔

''اُردوئے معلّیٰ'' اپنے آغاز سے لے کر آخر تک چار بار بند ہوا اور تقریباً تیس برسوں تک یہ رسالہ جاری رہا۔ہندوستان کی جنگِ آزادی میں حسرتؔ کے اِس رسالے نے اہم کردار ادا کیا ہے۔اِس رسالہ میں ادبی تخلیقات کے علاوہ سیاسی مضامین بھی ہوا کرتے تھے۔آپ کے معرکتہ الآراء مضامین کا شہرہ مُلک بھر میں تھا۔ڈاکٹر افضل مصباحی اپنی تصنیف 'اُردو صحافت آزادی کے بعد' میں اِس رسالے کے بارے میں لکھتے ہیں۔۔۔۔۔

''مولانا کا یہ رسالہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام ہندوستانی عوام میں سیاسی شعور، بیداری اور معاشرہ کی اصلاح تو کر ہی رہا تھا، اس کے علاوہ اس نے اردو ادب کی بھی زبردست خدمت کی۔اِس میں اُس وقت کے تمام قلمکار لکھتے تھے۔اسی وجہ سے یہ رسالہ اُردو صحافت کے ایسے رسالوں میں شمار ہوتا ہے جِن کی مثال کم ہی ملتی ہے۔اس میں انگریزی اخبارات سے بھی بہت سے تراجم شائع کیے جاتے تھے۔باوجود ترجمہ کے اِس کی زبان کی ساخت، اصلیت، سلاست اور شائستگی ختم نہیں ہونے دی جاتی تھی۔اسی وجہ سے اس کا صحافتی معیار باقی رہا۔اس رسالے میں سیاسی، سماجی اور مذہبی کے ساتھ ساتھ تہذیبی و ثقافتی پہلو کا ہمیشہ خیال رکھا گیا۔انہوں نے بڑے واضح انداز میں مسلمانوں کو ادب کے مختلف فنونِ مصوری، شاعری، موسیقی اور نقاشی کی ترغیب دی ہے۔ ایک جانب جہاں مولانا نے اپنے قلم سے اِس کے اصولوں کو محفوظ رکھا وہیں دیگر قلمکاروں نے اس کا پورا خیال رکھا۔اسی لیے اِسے اردو صحافت میں ایک مختلف و منفرد مقام حاصل ہے۔

Scanned by CamScanner

Urdu Scholars Ki Duniya- International Refereed Journal for URDU- ISSN: 2320-5369, EISSN: 2320-8910

IF: Global Impact Factor: 0.383

''اُردوئے معلیٰ'' کے جون ۱۹۰۸ء کے شمارے میں ایک مضمون ''مصر میں انگریزوں کی حکمتِ عملی'' شائع ہوا۔ جس پر برٹش حکومت نے مقدمہ چلایا۔ سید سلیمان ندوی کے قول کے مطابق وہ مضمون علی گڑھ کے ایک طالب علم اقبال سہیل کا تھا۔ دورانِ مقدمہ استغاثہ نے حسرتؔ موہانی سے بار بار اصرار کیا کہ آپ اصل مضمون نگار کا نام بتادیں تو آپ کی گلوخلاصی ہوجائے گی، مگر حسرتؔ جیسا سچا مُحبِ وطن اور پکا مردِ مومن کہاں اس راز کو افشا کرنے والا تھا۔ لہٰذا انہوں نے یہ الزام اپنے سر لے لیا۔ ۲۳ جون ۱۹۰۸ء کو حسرتؔ پہلی بار گرفتار ہوئے اور ۴ اگست ۱۹۰۸ء کو عدالتِ عالیہ سے حسرت کو دو سال کی قید اور پانچ سو روپیہ جرمانہ کی سزا سنائی دی گئی۔ اسی دِن سے حسرتؔ کی جیل کی زندگی کا آغاز ہوا۔ جیل میں پوری مدت تک حسرت کو روز ایک من آٹا پیسنا ہوتا تھا۔ یہ بڑا پُرمشقت کام تھا۔ مگر حسرتؔ کے آہنی حوصلوں سے انگریز حکومت کے ظلم وستم ٹکرا کر پاش پاش ہوجایا کرتے تھے۔ یہاں بھی حسرت کی طبیعت کی لطافت ان مشقتوں سے ذرہ برابر بھی متاثر نہ ہوئی اور اُن کی زبان سے اشعار کے پھول جھڑتے رہے۔ اِس قیدِ سخت میں بھی حسرتؔ کے اندر موجود ایک نازک خیال شاعر یوں گویا ہوتا ہے۔

ہے مشقِ سخن جاری چکی کی مشقت بھی ایک طُرفہ تماشہ ہے حسرتؔ کی طبیعت بھی

جو چاہے سزا دے لو تم اور بھی کِھل کھیلو پر ہم سے قسم لے لو کی ہو جو شکایت بھی

جیل سے رہائی کے بعد حسرتؔ کے حوصلے پست نہیں ہوئے بلکہ وہ ایک نئے جوش وخروش کے ساتھ سرگرم ہوگئے۔ انگریز حکومت کے خلاف اُن کا طرزِ عمل سخت اور شدید ہو چکا تھا۔ اب اس چنگاری نے شعلے کا روپ اختیار کرلیا تھا۔ اُن کی بے باکی اور انگریز دُشمنی 'اردوئے معلیٰ' کے ذریعے عام ہو رہی تھی۔ انگریز سرکار بھلا یہ کس طرح برداشت کرتی۔ حسرتؔ کی سرگرمیاں حکومت مخالف تھیں۔ بالآخر دوسری مرتبہ ۱۳ اپریل ۱۹۱۶ء میں حسرتؔ پھر گرفتار کیے گئے۔ اس مرتبہ ۱۹۱۶ء سے ۱۹۱۸ء تک قید رہے۔ اس کے بعد وہ تحریکِ خلافت میں شامل ہوگئے۔ ۱۹۲۰ء میں تحریکِ ترکِ موالات میں شامل ہوکر سودیشی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حِصہ لیا۔ ۱۹۲۱ء میں حریتِ کامل کی تجویز پیش کی جس کے نتیجہ میں ۲۲ اپریل ۱۹۲۲ء کو حسرتؔ پھر گرفتار کر لیے گئے۔ بالآخر ۱۹۲۴ء میں رِہا ہوئے۔ حسرتؔ کی عمر کے آخری ایام غربت میں گزرے، لیکن کبھی اپنی غربت اور تکلیف کا اظہار نہیں کیا۔ آخر کار ۱۳ مئی ۱۹۵۱ء بمطابق ۶ شعبان ۱۳۷۰ھ کو حسرتؔ موہانی نے مختصر سی علالت کے بعد اِس ناپائیدار دُنیا کو الوداع کہا اور مالکِ حقیقی سے جا مِلے اور فرنگی محل کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی کہتے ہیں کہ۔۔۔''حسرتؔ زندگی کے لیے ایک معمہّ تھے لیکن زندگی اُن کے لیے معمہّ نہ تھی، زندگی نے اُنہیں نہ سمجھا لیکن انہوں نے زندگی کو خوب سمجھا۔''

تاریخ کے تعلق سے ایک عام تاثر یہ ہے کہ تاریخ ماضی کے واقعات کے حقیقت پسندانہ جائزہ اور بیان پر مشتمل ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاریخ میں بھی اکثر حقائق کو مسخ کر دیا گیا ہے۔ یہ تاریخ کا المیہ ہے کہ اِس نے چند ایسے مُحبانِ وطن کو اپنے دامنِ کرم میں جگہ نہ دی جن کی بیباک صحافت نے مُلک کی آزادی میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اِس کے پسِ پُشت تعصب وجانبداری کی بیمار ذہنیت کارفرما رہی۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں نے آزادی کی جنگ میں صورِ اسرافیل پھونکنے والا نعرہ ''انقلاب زندہ باد'' تو یاد رکھا مگر اِس کے خالق مولانا حسرتؔ موہانی کو یکسر بھلا دیا۔ حسرتؔ کو وطن سے محبت نہیں عشق تھا اور وطن کی آزادی اُن کا جنون۔ اس عشق وجنون اور دیوانگی میں حسرتؔ کِن کِن آزمائشوں سے نہیں گزرے۔ گرفتاریاں دیں، قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں، جیل میں چکی پیسی معاشی بحران کا شکار بھی ہوئے، عمر کے آخری ایام غربت وعسرت میں گزارے۔ غرض یہ کہ حسرتؔ کی پوری زندگی دردؔ کے اس شعر کی تصویر نظر آتی ہے:

اذیت، مُصیبت، ملامت، بلائیں
تیرے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

Scanned by CamScanner

حوالہ جات:

☆دہلی میں ادبی صحافت کی تاریخ اور ایوان اُردو : مہیمنہ خاتون، صفحہ ۱۰

☆حسرتؔ موہانی۔ ایک سیاسی ڈائری : اثر بن یحییٰ انصاری

☆جنگ آزادی میں مسلمانوں کی ناقابل فراموش قربانیاں : مہتاب پیکر اعظمی۔ مطبوعہ ''تہذیب الاخلاق''۔ جنوری ۲۰۰۲ء

☆ہندوستانی ادب کے معمار۔ حسرت موہانی : ایم حبیب خان۔ صفحہ ۱۰

☆رہ نوردانِ شوق : عبادت بریلوی

☆☆☆

Scanned by CamScanner